اجماع امت سے متعلق غامدی صاحب کا بدترین تضاد

کاوش محمد مدثر علی راؤ

قارئین کرام! دین اسلام ایک ایسی عمارت ہے کہ جس کی اگر ایک اینٹ کو بھی اپنی جگہ سے ہٹایا جائے تو اس ساری عمارت میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور یہ اسلام کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اعجاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی منکر اپنی طرف سے اسلام میں ردو بدل کی کوشش کرتا ہے تو وہ جانے انجانے میں خود ہی اپنے خلاف قول وفعل سرانجام دے دیتا ہے۔ مرزا غلام قادیانی نے بھی یہی سب کچھ کیا تو اس نے اپنی کتب میں اپنے ہی باطل عقائد کیخلاف دلائل دے کر اپنا رد خود ہی کر ڈالا اور پھر اپنی ہی تحریرات میں تضاد کا شکار ہو گیا۔ کچھ ایسی ہی صورتحال غامدی صاحب کی بھی ہے۔ موصوف پہلے اپنے اصول خود بناتے ہیں اور پھر اپنے ذاتی افکار کے نتیجے میں خود ہی اپنے بنائے ہوئے اصولوں کیخلاف عمل کر بیٹھتے ہیں۔ آیئے اسی حوالے سے غامدی صاحب کا اجماع امت کے متعلق بدترین تضاد ملاحظہ فرمائیں۔

غامدی صاحب نے اپنی کتاب "میزان" کے صفحہ 14 پر اپنے مخصوص تصور سنت کے نتیجے میں 26 اعمال ذکر کیے ہیں جو انکے مطابق دین کا خلاصہ ہیں اور ہمیں وہ سنت کے نتیجے میں ملتے ہیں۔

☆ ان میں پانچ اعمال عبادات سے تعلق رکھتے ہیں
☆ دو اعمال معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں
☆ دو اعمال خورونوش سے تعلق رکھتے ہیں
☆ اور سترہ اعمال رسوم وآداب سے تعلق رکھتے ہیں

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 14)

قارئین کرام! غامدی صاحب اپنی کتاب "میزان" کے اسی صفحہ 14 پر سنت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔ "یہ (سنت) اسی طرح ان کے اجماع اور قولی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے"۔ یعنی سنت کا ثبوت گویا اجماع سے ملتا ہے۔ ناقل۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 14)

کیا ہے۔

سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی اُسی کا حصہ ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا، وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (النحل ۱۶:۱۲۳)

"پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

عبادات

۱۔ نماز۔ ۲۔ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر۔ ۳۔ روزہ و اعتکاف۔ ۴۔ حج و عمرہ۔ ۵۔ قربانی اور ایام تشریق کی تکبیریں۔

معاشرت

۱۔ نکاح و طلاق اور اُن کے متعلقات۔ ۲۔ حیض و نفاس میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب۔

خور و نوش

۱۔ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔ ۲۔ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔

رسوم و آداب

۱۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ ۲۔ ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اُس کا جواب۔ ۳۔ چھینک آنے پر الحمد للہ اور اُس کے جواب میں یرحمک اللہ۔ ۴۔ مونچھیں پست رکھنا۔ ۵۔ زیر ناف کے بال کاٹنا۔ ۶۔ بغل کے بال صاف کرنا۔ ۷۔ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ ۸۔ لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ ۹۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ ۱۰۔ استنجا۔ ۱۱۔ حیض و نفاس کے بعد غسل۔ ۱۲۔ غسل جنابت۔ ۱۳۔ میت کا غسل۔ ۱۴۔ تجہیز و تکفین۔ ۱۵۔ تدفین۔ ۱۶۔ عید الفطر۔ ۱۷۔ عید الاضحیٰ۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث و نزاع کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔

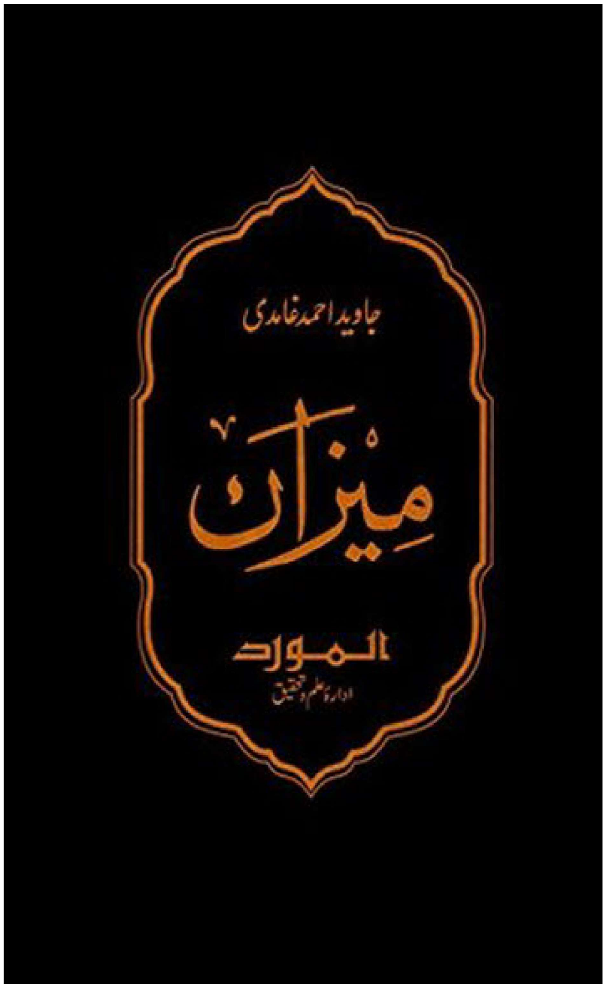

مزید غامدی صاحب اپنی اسی کتاب "میزان" کے صفحہ 60 پر لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔ "قرآن ہی کی طرح سنت کا ماخذ بھی اجماع ہے"۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 60)

پھر غامدی صاحب اپنی اسی کتاب "میزان" کے صفحہ 639 پر (رسوم و آداب) کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔ "انکا ماخذ اب امت کا اجماع ہے اور یہ سب اسی بنیاد پر پوری امت میں ہر جگہ دین تسلیم کیے جاتے ہیں"۔ یعنی کہ یہ رسوم و آداب جو کہ سنت کے تناظر میں ہمیں ملی اور جو کہ دین کا حصہ ہے یہ سب امت کے اجماع سے ہی ثابت ہوتی ہے۔ ناقل۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 639)

واضح کیا ہے کہ قرآن میں 'لَآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ'[41] اور 'اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ'[42] کی تحدید کے بعد یا اسی فطرت کا بیان ہے جس کے تحت انسان ہمیشہ سے جانتا ہے کہ نہ شیر اور چیتے اور ہاتھی کوئی کھانے کی چیز ہیں اور نہ گھوڑے اور گدھے دسترخوان کی لذت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس طرح کی بعض دوسری چیزیں بھی روایتوں میں بیان ہوئی ہیں، انھیں بھی اسی ذیل میں سمجھنا چاہیے اور سنت سے الگ انسانی فطرت میں اُن کی اسی حیثیت سے پیش کرنا چاہیے۔

چھٹا اصول

چھٹا اصول یہ ہے کہ وہ چیزیں بھی سنت نہیں ہو سکتیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے انھیں بتائی تو ہیں، لیکن اس رہنمائی کی نوعیت ہی پوری قطعیت کے ساتھ واضح کر دیتی ہے کہ انھیں سنت کے طور پر جاری کرنا آپ کے پیش نظر ہی نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال نماز میں قعدے کے اذکار ہیں۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لوگوں کو تشہد اور درود بھی سکھایا ہے اور اس موقع پر کرنے کے لیے دعاؤں کی تعلیم بھی دی ہے، لیکن یہی روایتیں واضح کر دیتی ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی نہ آپ نے بطور خود اس موقع کے لیے مقرر کی ہے اور نہ سکھانے کے بعد لوگوں کے لیے اُسے پڑھنا لازم قرار دیا ہے۔ یہ آپ کے پسندیدہ اذکار ہیں اور ان سے بہتر کوئی چیز تصور نہیں کی جا سکتی، لیکن اس معاملے میں آپ کا طرز عمل صاف بتاتا ہے کہ آپ لوگوں کو کسی بات کا پابند نہیں کرنا چاہتے، بلکہ انھیں یہ اختیار دینا چاہتے ہیں کہ وہ آپ کی سکھائی ہوئی یہ دعائیں بھی کر سکتے ہیں اور ان کی جگہ دعا و مناجات کے لیے کوئی اور طریقہ بھی اپنا سکتے ہیں۔ لہٰذا سنت صرف یہی ہے کہ ہر نماز کی دوسری اور آخری رکعت میں نماز پڑھنے والا دو زانو ہو کر قعدے کے لیے بیٹھے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اس موقع پر سنت کی حیثیت سے مقرر نہیں کی گئی۔

ساتواں اصول

ساتواں اصول یہ ہے کہ جس طرح قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا، اسی طرح سنت بھی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ سنت کی حیثیت دین میں مستقل بالذات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ انسانوں تک پہنچانے کے مکلف تھے۔ اخبار آحاد کی طرح اسے لوگوں کے فیصلے پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا کہ وہ چاہیں تو اسے آگے منتقل کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔ لہٰذا قرآن ہی کی طرح سنت کا ماخذ بھی امت کا اجماع ہے اور وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے امت کو ملا ہے، اسی طرح یہ اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے۔ اس سے

۴۱؎ الانعام ۶: ۱۴۵۔

۴۲؎ البقرہ ۲: ۱۷۳۔

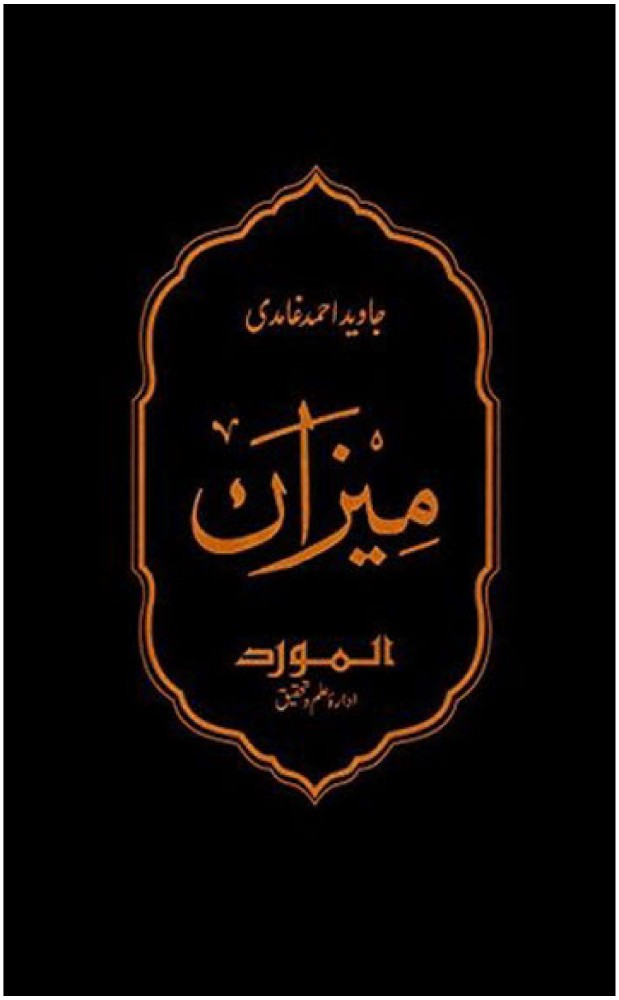

رسوم و آداب

انسان کی تہذیب نفس رہن سہن کے جن طریقوں اور تمدن کے جن مظاہر سے نمایاں ہوتی ہے، انھیں ہم اصطلاح میں رسوم و آداب کہتے ہیں۔ انسانی معاشرت کا کوئی دور ان رسوم و آداب سے خالی نہیں رہا۔ انھیں ہم ہر قبیلے، ہر قوم اور ہر تہذیب میں یکساں رائج اور ایک عمومی دستور کی حیثیت سے یکساں جاری دیکھتے ہیں۔ اقوام و ملل کی پہچان ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ تر انھی سے قائم ہوتی ہے۔ انبیا علیہم السلام جو دین لے کر آئے ہیں، وہ بھی اپنے ماننے والوں کو بعض رسوم و آداب کا پابند کرتا ہے۔ دین کا مقصد تزکیۂ نفس ہے، لہٰذا دین کے یہ رسوم و آداب بھی اسی مقصد کو سامنے رکھ کر مقرر کیے گئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو ان میں سے زیادہ تر دین ابراہیمی کی روایت کے طور پر عرب میں رائج تھے۔ چند چیزوں کے سوا آپ نے ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ یہ قرآن سے پہلے ہیں اور ان کی حیثیت ایک سنت کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر و تصویب کے بعد صحابۂ کرام کے اجماع اور تواتر عملی سے امت کو منتقل ہوئی ہے۔ ان کا ماخذ اب امت کا اجماع ہے اور یہ سب اسی بنیاد پر پوری امت میں ہر جگہ دین تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام کے مقرر کردہ یہی رسوم و آداب ہم تفصیل کے ساتھ یہاں بیان کریں گے۔

۱۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔

ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف و اقرار اور اُن میں برکت کی دعا کے لیے ہے اور دوسری چیز اس حقیقت کی ہمہ وقت یاددہانی کے لیے کہ جنت کی نعمتیں قیامت کے دن جن لوگوں کو ملیں گی، اُن کا نامۂ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ بندۂ مومن جب اس طرح کے مواقع پر دائیں کی رعایت کرتا ہے تو یہ گویا اُس کی طرف سے ایک طرح کا علامتی اظہار ہوتا ہے کہ قیامت میں بھی وہ اصحاب الیمین ہی کے زمرے میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں انبیا علیہم السلام کی اس سنت پر عمل پیرا ہونے کی تاکید اس طرح فرمائی ہے:

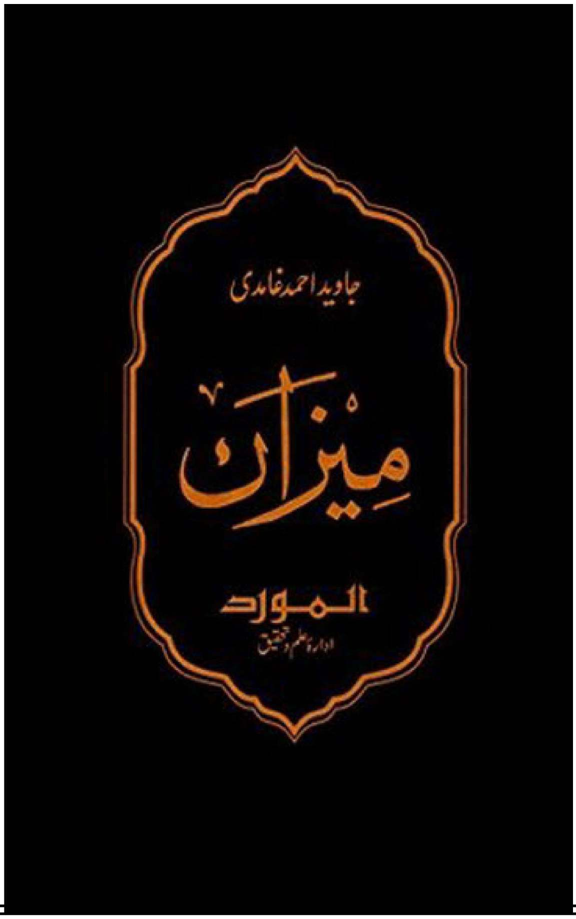

غامدی صاحب نے اپنی کتاب "میزان" کے صفحہ 14، 60، اور 639 پر سنت کے حوالے سے یہی لکھا ہے کہ یہ امت کے اجماع سے ہی ثابت ہوتی ہے اور قرآن ہی کی طرح سنت کا ماخذ بھی امت کا اجماع ہے۔

قارئین کرام! اب آپ تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں

غامدی صاحب اجماع کو دین کا مصدر قرار دینے کے حوالے سے اپنی کتاب "مقامات" کے صفحہ 157 پر لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔"دین کے ماخذ میں یہ اضافہ یقیناً ایک بدعت ہے"۔یعنی اجماع ایک بدعت ہے. ناقل۔

(ملاحظہ فرمائیں مقامات طبع سوم جولائی 2014 صفحہ 157)

مزید غامدی صاحب آگے بڑھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔۔"عام طور پر فقہاء نے اجماع (consensus) کو شریعت کا ایک مستقل مصدر قرار دیا ہے، مگر یہ یقینی طور پر ایک بے بنیاد نظریہ ہے"۔یعنی اجماع ایک بے بنیاد نظریہ ہے. ناقل۔

4

شریعت کا ایک مصدر یہ اجماع بھی ہے۔

دین کے ماخذ میں یہ اضافہ یقیناً ایک بدعت ہے۔ قرآن و سنت کے نصوص میں اس کے لیے کوئی بنیاد تلاش نہیں کی جا سکتی۔ اس کے اثرات کا جائزہ لیجیے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس سے اسلامی شریعت کی ابدیت مجروح ہوئی اور دور جدید کی نسبت سے اس کا تعلق (relevance) ثابت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ برصغیر کے جلیل القدر عالم اور داعی مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں:

"عام طور پر فقہا نے اجماع (consensus) کو شریعت کا ایک مستقل مصدر قرار دیا ہے، مگر یہ یقینی طور پر ایک بے بنیاد نظریہ ہے۔ شریعت کا مستقل مصدر صرف کوئی نص قطعی ہو سکتا ہے۔ نص قطعی کی غیر موجودگی میں کسی چیز کو شریعت کا مستقل مصدر قرار دینا یقینی طور پر ایک بے بنیاد بات ہے۔ اجماع کی بلاشبہ ایک اہمیت ہے، لیکن وہ اہمیت صرف یہ ہے کہ کسی خاص موقع پر اجماع کسی پیش آمدہ مسئلے کا ایک عملی حل ہوتا ہے۔ یہ حل یقینی طور پر ایک وقتی حل ہوتا ہے، نہ کہ شریعت کا ابدی مصدر۔" (الرسالہ ۷/۲۰۱۱ء)

فقہا جن دلائل سے اجماع کی حجیت ثابت کرتے ہیں، اُن کی حقیقت اگر کوئی شخص سمجھنا چاہے تو اُسے امام شوکانی کی "ارشاد الفحول" دیکھنی چاہیے۔ اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ کس قدر بے معنی اور غیر متعلق ہیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت اور ایک حدیث، البتہ ایسی ہے جس سے استدلال بعض لوگوں کے لیے باعث تردد ہو سکتا

www.javedahmadghamidi.org

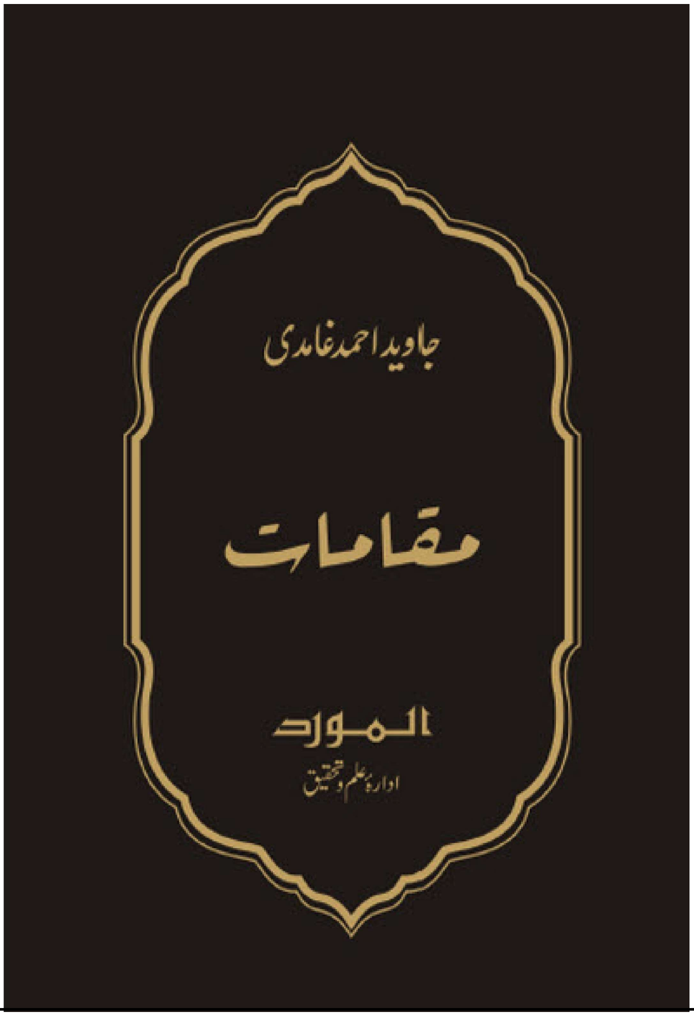

1: اب ایک طرف غامدی صاحب کے نزدیک سنت اجماع سے ثابت ہوتی ہے اور قرآن کی طرح سنت کا ماخذ بھی اجماع امت ہے۔

2: دوسری طرف غامدی صاحب کے نزدیک اجماع ایک بدعت اور بے بنیاد نظریہ ہے جو کہ شریعت کا کوئی مستقل مصدر نہیں ہے۔

اب غامدی صاحب اور انکے سٹوڈنٹس غور فرمائیں کہ۔۔۔ جب اجماع کو دین کا ماخذ قرار دینا ایک بدعت ہوئی اور غامدی صاحب کے ہی بقول اجماع کو شریعت کا مستقل مصدر قرار دینا ایک بے بنیاد نظریہ ہوا تو پھر دوسری طرف غامدی صاحب کی کتاب "میزان" کے صفحہ 14 پر دین کے جو 26 اعمال سنت بتائے گئے ہیں ان تمام اعمال سنت کا ماخذ غامدی صاحب نے اجماع کو ہی قرار دیا ہوا ہے۔۔۔۔۔ تو پھر جب اجماع بدعت اور بے بنیاد نظریہ ہے جیسا کہ غامدی صاحب نے اپنی کتاب مقامات میں لکھا بھی ہوا ہے تو وہ سارے کے سارے اعمال سنت کا ثبوت کس بنیاد پر ہوا؟ جن کو غامدی صاحب نے اپنی کتاب میزان میں درج کیا ہے۔ پھر تو وہ سارے کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔

قارئین کرام! چونکہ غامدی صاحب نے اپنے ذاتی افکار اور محدود مطالعہ کے نتیجہ میں اسلام کو ایک نئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی اسکا نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ غامدی صاحب خود ہی اپنی تحریرات میں بدترین تضاد کے شکار ہوئے پڑے ہیں کہ انکی اپنی ایک بات انکی ہی دوسری بات کو مسترد کر دیتی ہے جسکا نقصان دین اسلام اور غامدی صاحب کے مقلدین کو ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ایسے فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔